اسلام کا نظامِ تقسیمِ دولت

یہ مقالہ حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ نے ۱۳ر فروری کو راولپنڈی کی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں پڑھ کر سنایا جسے ہر طبقۂ فکر نے بے حد سراہا، اجلاس میں شریک سنجیدہ اور فہیم حضرات سے بڑے اچھے تاثرات سننے میں آئے۔ آج کل عالمِ اسلام کو جن مسائل کا سامنا ہے اس بارہ میں قارئین حضرات کو رسوخ علمی رکھنے والے متدین اکابر کے مقالات اور مضامین کو دلچسپی اور انہماک سے پڑھنا چاہیے۔ اذہان سطحی مطالعہ سے نہیں بنتے۔ سنجیدہ، علمی اور ٹھوس مطالعہ سے گریز کرتے ہوئے ڈائجسٹوں اور عام مجلات کے افسانوی مضامین ہی پر اکتفا کرنا علم و فکر کے اضمحلال کا باعث اور سطحیت کی علامت ہے۔ گو ہم حتی الوسع اپنے عام قارئین کے لئے عام فہم اور آسان زبان استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر پھر بھی آج وقت کے فتنوں اور علمی و فکری گمراہیوں کے تعاقب میں علمی مقالات اور مضامین کی اشاعت ایک ضروری امر ہے۔ امید ہے قارئین حضرات اس مضمون کو بھی بڑے شغف اور یکسوئی سے پڑھیں گے۔

......(سمیع الحق)......

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

"تقسیم دولت" کی بحث معاشی زندگی کے ان اہم ترین مباحث میں سے ایک ہے جنہوں نے آج کی دنیا میں عالمگیر انقلابات کو جنم دیا ہے۔ اور عالمی سیاست سے لیکر ایک فرد کی نجی زندگی تک ہر شعبہ اس سے متاثر ہوا ہے۔ صدیوں سے اس موضوع پر زبانی قلمی اور حربی معرکے گرم ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ "وحی الٰہی" کی رہنمائی کے بغیر نری عقل کے بل پر اس موضوع کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس نے اس الجھی ہوئی گتھی کے خم و پیچ میں کچھ اور اضافہ کر دیا ہے ــــ

1 زیر قلم مقالے میں پیش نظر یہ ہے کہ قرآن و سنت اور مفکرین اسلام کی کاوشوں سے اس

معاملے میں "اسلام" کا جو نقطۂ نظر سمجھ میں آتا ہے۔ اسے واضح کیا جائے۔ وقت کی تنگی اور صفحات کے محدود ہونے کی وجہ سے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ اس موضوع کو پورے بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے۔ البتہ اس کے اہم نکات کو اختصار مگر جامعیت کیساتھ عرض کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

قرآن وسنت اور اسلامی فقہ سے "تقسیم دولت" کے بارے میں اسلام کا جو موقف احقر نے سمجھا ہے اسے بیان کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بنیادی باتیں واضح کر دی جائیں۔ جو اسلامی معاشیات کے تقریباً ہر مسئلے میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں، انہیں آپ "نظریۂ تقسیم دولت کے اصول" کہہ لیجئے۔ اس کا "فلسفہ" سمجھ لیجئے یا اس نظریئے کے مقاصد قرار دیجئے۔ بہرحال یہ چند وہ باتیں ہیں جو قرآن کریم سے اصولی طور پہ سمجھ میں آتی ہیں۔ اور اسلام کے معاشی طرزِ فکر کو غیر اسلامی معاشیات سے ممتاز کرتی ہیں۔

معاشی مسئلہ کا مقام اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام رہبانیت کا مخالف ہے اور انسان کی معاشی سرگرمیوں کو جائز، مستحسن، بلکہ بسا اوقات واجب اور ضروری قرار دیتا ہے۔ انسان کی معاشی ترقی اس کی نگاہ میں پسندیدہ ہے اور "کسب حلال" اس کے نزدیک "فریضۃ بعد الفریضۃ" یعنی دوسرے درجہ کا فرض قرار دیتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ یہ حقیقت بھی اتنی ہی صداقت رکھتی ہے کہ اسکی نظر میں انسان کا بنیادی مسئلہ "معاش" نہیں ہے۔ اور نہ معاشی ترقی اس کے نزدیک انسان کا مقصدِ زندگی ہے۔

معمولی سوجھ بوجھ سے یہ حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ کسی کام کا جائز، مستحسن یا ضروری ہونا ایک الگ بات ہوتی ہے۔ اور اس کا مقصد زندگی اور محور فکر و عمل ہونا بالکل جدا چیز۔ اسلامی معاشیات کے معاملے میں بہت سی غلط فہمیاں انہی دو چیزوں کو خلط ملط کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے پہلے قدم پر اس بات کا صاف ہو جانا ضروری ہے۔ درحقیقت اسلامی معاشیات اور مادی معاشیات کے درمیان ایک بڑا گہرا، بنیادی اور دور رس فرق یہی ہے کہ مادہ پرستانہ معاشیات میں "معاش انسان کا بنیادی مسئلہ" اور معاشی ترقیات اسکی زندگی کا منتہائے مقصود ہیں۔ اور اسلامی معاشیات میں یہ چیزیں ضروری اور ناگزیر سہی لیکن انسان کی زندگی کا اصل مقصد نہیں ہیں۔ اس لئے جہاں ہمیں قرآن کریم میں "رہبانیت" کی مذمت اور "وابتغوا من فضل اللہ" کے احکام ملتے ہیں۔ یہاں ہمیں تجارت کیلئے "فضل اللہ" اموال کیلئے "خیر" اور "التی جعل اللہ لکم قیاما" تو راک کیلئے "طیبات من الرزق" لباس کیلئے "زینۃ اللہ" اور رہائش کیلئے "سکن" کے احترامی